اسلامی تہذیب اور اس کے اصول و مبادی

(۹)

ایمان

شعبان کے رسالہ میں سلسلۂ کلام اس حد تک پہنچا تھا۔ کہ اسلام کی اصطلاح میں ایمان سے مراد اللہ، ملائکہ، کُتب، رُسل اور یوم آخر پر ایمان لانا ہے اور یہ پانچوں ایمانیات مل کر ایک ناقابل تجزیہ کُل بناتے ہیں، یعنے ان کے درمیان ایسا ربط ہے کہ اگر ان میں سے کسی ایک جز کا بھی انکار کیا جائے تو اس سے کُل کا انکار لازم آتا ہے۔ پھر عقلی تنقید کرکے یہ ثابت کیا گیا تھا کہ اسلام جس قسم کی تہذیب قائم کرنا چاہتا ہے اس کے لئے صرف یہی امور ایمانیات بن سکتے ہیں۔ اور انہی ایمانیات کی اس کو ضرورت ہے نیز یہ کہ ان میں کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو عقلی و علمی ترقی کا ساتھ نہ دے سکتی ہو۔

اب ہمیں تیسرے سوال کی طرف توجہ کرنی چاہئے، اور وہ یہ ہے کہ اسلام میں ایمان کی کیا حیثیت ہے؟ اور یہ حیثیت کیوں ہے؟ اس مسئلہ کو سمجھنے میں لوگوں نے بکثرت غلطیاں کی ہیں، اور بعض مشہور اہل علم و فضل اصحاب بھی اس میں ٹھوکر کھا گئے ہیں۔ اس لئے اس کو ذرا بسط کے ساتھ بیان کرنا ضروری ہے۔

اسلام میں ایمان کی اہمیت اگر سوال کیا جائے کہ قرآن مجید کی دعوت کا اصل الاصول کیا ہے تو اس کا جواب صرف ایک لفظ میں دیا جا سکتا ہے، اور وہ "ایمان" ہے۔ قرآن کے نزول اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت کا مقصد ہی ایمان کی طرف دعوت دینا ہے۔ قرآن اپنے لانے والے کے متعلق صاف کہتا ہے کہ وہ ایمان کا منادی ہے۔ رَبَّنَا اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِیًا یُّنَادِیْ لِلْاِیْمَانِ (۳ : ۲۰) اور خود نبی اپنے متعلق اعلان کرتا ہے کہ وہ صرف ان لوگوں کو ہدایت کا راستہ دکھائیگا جو غیب کی باتوں (یعنی

ایمانیات) پر یقین لانے کے لئے طیار ہوں۔ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ (۲: ۱)
وہ وعظ سے، تلقین سے، وعد و وعید سے، بحث و استدلال سے، قصص وحکایات سے اسی کی طرف دعوت
دیتا ہے۔ انسان سے اس کا پہلا مطالبہ یہ ہے کہ وہ ایمان لائے اس کے بعد وہ تزکیہ نفس، اصلاح اخلاق
اور وضع قوانین مدنی کی طرف قدم بڑھاتا ہے۔ اس کے نزدیک ایمان ہی حق، صدق، علم، ہدیٰ اور
نور ہے۔ اور عدم ایمان یعنی کفر کو وہ جہل، ظلم، باطل، کذب، ظلمت، اور ضلالت، قرار دیتا ہے۔

قرآن حکیم نے ایک واضح خط فاصل کھینچ کر تمام دنیا کے انسانوں کو دو گروہوں پر تقسیم کر دیا ہے
ایک گروہ ایمان لانے والوں کا، اور دوسرا گروہ انکار کرنے والوں کا۔ پہلا گروہ اس کے نزدیک حق
پر ہے، علم اور نور سے بہرہ ور ہے، اس کے لئے ہدایت کا راستہ اور تقویٰ و پرہیزگاری کا دروازہ
کھل گیا ہے، اور وہی فلاح پانے والا ہے۔ دوسرا گروہ اس کے نزدیک کافر ہے، ظالم ہے، جاہل ہے،
تاریکی میں پھنسا ہوا ہے، ہدایت کی راہیں اس کے لئے بند ہیں تقویٰ اور پرہیزگاری میں اس کا
کوئی حصہ نہیں، اور اس پر خسران و نامرادی کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ وہ ان دونوں طبقوں کی مثال
اس طرح دیتا ہے، کہ ان میں سے ایک اندھا اور بہرا ہے، اور دوسرا دیکھنے اور سننے والا۔ مَثَلُ
الْفَرِيْقَيْنِ كَالْاَعْمٰى وَالْاَصَمِّ وَالْبَصِيْرِ وَالسَّمِيْعِ (۱۱: ۲) وہ کہتا ہے کہ ایمان کا راستہ ہی
صراط مستقیم ہے۔ وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (۴۲: ۵) اور اس کے سوا جتنے راستے
ہیں سب کا چھوڑ دینا ضروری ہے وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا
السُّبُلَ (۶: ۹) اس نے بلا کسی لاگ لپیٹ کے صاف صاف کہدیا ہے کہ جو اللہ اور اس کے رسول اور اس کی کتاب
کو مانتا ہے اس کے پاس ایک روشن چراغ ہے جس کی مدد سے وہ سیدھے رستے پر چل سکتا ہے اس چراغ کی موجودگی
میں اس کے لئے بھٹک جانے کا کوئی خدشہ نہیں ہے وہ راہ راست کو ٹیڑھے راستوں سے ممتاز کر کے دیکھ لے گا اور بخیر و عافیت
فلاح کی منزل مقصود تک پہنچ جائیگا۔ اور جو ایمان کی شمع نہیں رکھتا اس کے پاس کوئی روشنی نہیں ہے اس کے لئے سیدھے

اور ٹیڑھے راستوں کا فرق معلوم کرنا مشکل ہے۔ وہ اندھوں کی طرح اندھیرے میں اٹکل سے ٹٹول ٹٹول کر چلیگا، ممکن ہے کہ اتفاقاً اس کا کوئی قدم سیدھے راستہ پر بھی پڑ جائے۔ مگر یہ راہ راست پر چلنے کا کوئی یقینی ذریعہ نہیں ہے۔ غالب امکان اسی کا ہے کہ راہ راست سے ہٹ جائے گا، کہیں خندق میں گرے گا۔ اور کہیں کانٹوں میں جا پھنسے گا۔ پہلے گروہ کے متعلق اس کا قول ہے کہ۔

فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (۷: ۱۹)	پس جو لوگ رسول پر ایمان لائے اور جنہوں نے اس کی مدد و حمایت کی اور اس نور کا اتباع کیا جو اس کے ساتھ اتارا گیا ہے وہی دراصل فلاح پانے والے ہیں

اور:۔

اِتَّقُوا اللّٰهَ وَاٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِهٖ وَيَغْفِرْ لَكُمْ (۵۷: ۴)	لوگو اللہ سے ڈرو اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ (اگر تم ایسا کروگے تو) اللہ تم کو اپنی رحمت سے دوہرا حصہ دیگا اور تمہارے لیے ایسی روشنی کر دیگا جس میں تم چلوگے اور تم کو بخش دیگا۔

اور دوسرے گروہ کے متعلق کہتا ہے:۔

وَمَا يَتَّبِعُ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُرَكَآءَ ۭ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ (۱۰: ۷)	جو لوگ خدا کے سوا دوسرے شرکا کو پکارتے ہیں جانتے ہو وہ کس کی پیروی کرتے ہیں؟ وہ صرف گمان کی پیروی کرتے اور محض اٹکل پر چلتے ہیں۔
اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ ۚ وَاِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا (۵۳: ۲)	وہ صرف گمان کی پیروی کرتے ہیں اور گمان کا حال یہ ہے کہ وہ حق کی ہدایت سے کچھ بھی بے نیاز نہیں کرتا
وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰىهُ بِغَيْرِ	اور اس شخص سے زیادہ گمراہ کون ہوگا جس نے اللہ کی ہدایت کے بغیر

هُدًى مِّنَ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ	اپنے نفس کی خواہشات کی پیروی کی؟ اللہ ایسے ظالموں
الظّٰلِمِيْنَ (۲۸ : ۵)	کو کبھی سیدھا راستہ نہیں دکھاتا ۔
وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ	اور جس کو اللہ نے روشنی نہ دی ہو اس کے لئے پھر کوئی
مِنْ نُّوْرٍ (۲۴ : ۵)	روشنی نہیں ۔

اس پورے مضمون کی تصریح سورۂ بقرہ میں ملتی ہے ۔جس سے یہ حقیقت بالکل واضح ہوجاتی ہے کہ ایمان اور کفر کے فرق سے نوع بشری کے ان دونوں گروہوں میں کتنا عظیم فرق واقع ہوجاتا ہے

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ، قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ	دین میں کوئی زبردستی نہیں ہے، ہدایت کا راستہ گمراہی
مِنَ الْغَيِّ، فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَ	سے الگ کرکے دکھا دیا گیا ہے ۔اب جو طاغوت
يُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ	کو چھوڑ کر اللہ پر ایمان لے آیا اس نے ایک مضبوط رسی تھام
الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ	لی جو ٹوٹنے والی نہیں ہے اور اللہ سب کچھ سننے اور
عَلِيْمٌ۔ اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ	جاننے والا ہے اللہ ان لوگوں کا مددگار ہے جو ایمان
مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا	لائے ۔وہ ان کو تاریکیوں سے روشنی میں نکال لاتا ہے
اَوْلِيٰٓئُهُمُ الطَّاغُوْتُ يُخْرِجُوْنَهُمْ	اور جو کافر ہیں ان کے مددگار شیطان ہیں۔ وہ ان کو
مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ، اُولٰٓئِكَ	نور سے تاریکیوں کی طرف نکال لے جاتے ہیں۔ وہ
اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ۔	دوزخی ہیں۔ اور دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے ۔

(۲ : ۳۴) ۔

عمل پر ایمان کا تقدم پھر اسی ایمان اور کفر کے بنیادی فرق نے انسانی اعمال کے درمیان بھی فرق کر دیا ہے ۔قرآن کے نزدیک نیکوکار اور پرہیزگار وہی شخص ہو سکتا ہے جو ایمان لائے ۔ ایمان کے بغیر کسی عمل پر بھی تقویٰ اور صلاح کا اطلاق نہیں ہوتا، خواہ اہل دنیا کی نگاہ میں وہ عمل کتنا ہی نیک ہو

وہ کہتا ہے کہ:-

وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖۤ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ (۳۹ : ۴)

اور جو شخص سچی بات لے کر آیا، اور جس نے اس کی تصدیق کی، بس وہی لوگ متقی ہیں۔

هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۔ (۲ : ۱)

قرآن ہدایت ہے متقین کے لئے جو غیب کی باتوں پر ایمان لاتے ہیں نماز قائم کرتے اور ہمارے بخشے ہوئے مال کو خرچ کرتے ہیں اور جو اس کتاب پر ایمان لاتے ہیں جو تیرے اوپر اتاری گئی ہے اور ان کتابوں پر بھی جو تجھ سے پہلے نازل کی جا چکی ہیں اور جو آخرت پر یقین رکھتے ہیں

پس قرآن کی نگاہ میں ایمان ہی تقوی کی جڑ اور پرہیزگاری کی اصل ہے۔ جو شخص ایمان لاتا ہے اس کے نیک اعمال اس طرح پھلتے اور پھولتے ہیں جس طرح اچھی زمین، اور اچھی آب و ہوا میں باغبان کے لگائے ہوئے درخت سرسبز ہوتے اور پھل پھول لاتے ہیں۔ بخلاف اس کے جو شخص ایمان کے بغیر عمل کرتا ہے وہ گویا ایک بنجر پتھریلی زمین اور خراب آب و ہوا میں باغ لگاتا ہے[۱] یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں ہر جگہ ایمان کو عمل صالح پر مقدم رکھا گیا ہے، اور کہیں بھی نرے حسن عمل کو، ایمان کے بغیر، نجات اور فلاح کا ذریعہ قرار نہیں دیا گیا ہے[۲] بلکہ اگر آپ قرآن کا غور سے مطالعہ کریں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ قرآن مجید نے جس قدر اخلاقی ہدایات اور قانونی احکام دیے ہیں ان سب کے مخاطب صرف وہ لوگ ہیں، جو ایمان لا چکے ہیں۔ اس قسم کی تمام آیات یا تو یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سے شروع ہوتی ہیں یا اثنار بیان میں کسی نہ کسی طور سے تصریح کر دی گئی ہے کہ خطاب صرف مومنین سے ہے۔ باقی رہے

---

[۱] یہ مضمون قریب قریب اسی تمثیل کے ساتھ قرآن مجید میں بیان ہوا ہے ملاحظہ ہو سورہ بقرہ رکوع ۳۶ -

[۲] مثال کے طور پر ملاحظہ ہوں آیات: ۲:۳ - ۲:۹ - ۲:۳۸ - ۴ - ۴:۲۴ - ۵:۲ - ۱۱:۲ - ۱۶:۱۳ - ۲۰:۳ - ۲۰:۶ - ۹۵ - ۱۰۳ - ۱۱ - ان حوالوں میں پہلا نمبر سورہ کا ہے دوسرا رکوع کا -

کفار تو ان کو حسن عمل کی نہیں، صرف ایمان کی دعوت دی گئی ہے، اور صاف کہدیا گیا ہے کہ جو لوگ مومن نہیں ہیں ان کے اعمال کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے وہ بے وزن ہیں، بے حقیقت ہیں اور قطعاً ضائع ہو جانے والے ہیں۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍۢ بِقِيْعَةٍ يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءً حَتّٰٓى اِذَا جَآءَهٗ لَمْ يَجِدْهُ شَيْـًٔا (۲۴: ۵)	اور جن لوگوں نے کفر کیا ان کے اعمال ایسے ہیں جیسے چٹیل میدان میں سراب۔ پیاسا دور سے دیکھ کر سمجھتا ہے کہ پانی ہے مگر جب وہاں پہنچتا ہے تو کچھ نہیں پاتا
قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَلِقَآئِهٖ فَحَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوْا وَاتَّخَذُوْٓا اٰيٰتِىْ وَرُسُلِىْ هُزُوًا (۱۸: ۱۲)	ان سے کہو، کیا ہم تمہیں بتائیں کہ اپنے اعمال کے لحاظ سے کون لوگ سب سے زیادہ نامراد ہیں؟ وہ جن کی کوششیں دنیوی زندگی میں بیکار صرف ہوگئیں اور وہ سمجھتے رہے کہ ہم بہت اچھے کام کر رہے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے پروردگار کی آیات کا انکار کیا اور یہ تسلیم نہ کیا کہ انہیں اس کے پاس حاضر ہونا ہے۔ اس وجہ سے ان کے اعمال اکارت گئے۔ قیامت کے دن ہم انکے اعمال کو کوئی وزن نہ دیں گے اور وہ دوزخ میں جائیں گے بدلہ ہے اس کا کہ انہوں نے کفر کیا اور میری آیات اور میرے رسولوں کو مضحکہ بنا لیا۔

یہی مضمون سورۂ مائدہ (رکوع ۱) انعام (۱۰) اعراف (۱۷) توبہ (۳) ہود (۲) احزاب (۲) زمر (۷) محمد (۱) میں بیان ہوا ہے، اور سورہ توبہ میں صاف تصریح کی گئی ہے کہ جو کافر بظاہر نیک عمل کرتا ہے وہ مومن کے برابر کبھی نہیں ہو سکتا:۔

اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ	کیا تم نے حاجیوں کو پانی پلانے والے اور مسجد حرام کو آباد

لِمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَجَاهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ، لَا يَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۔ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ (۹:۳)

رکھنے والے کا مرتبہ اس شخص کے برابر سمجھ لیا ہے جو اللہ اور یوم آخر پر ایمان لایا اور جس نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا؟ یہ دونوں اللہ کے نزدیک ہرگز برابر نہیں اور اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔ جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جان اور مال سے جہاد کیا وہ اللہ کے نزدیک بڑے درجہ والے ہیں اور وہی کامیاب ہیں۔

خلاصہ اس بیان سے اور قرآن مجید کی ان آیات سے جو اس کی تائید میں پیش کی گئی ہیں چند امور غیر مشتبہ طور پر ثابت ہوتے ہیں :۔

۱۔ ایمان، نظام اسلامی کا سنگ بنیاد ہے۔ اسی پر اس نظام کی عمارت قائم کی گئی ہے۔ اور کفر و اسلام کا امتیاز صرف ایمان و عدم ایمان کے بنیادی فرق پر مبنی ہے۔

۲۔ انسان سے اسلام کا پہلا مطالبہ یہ ہے کہ وہ ایمان لائے۔ اس مطالبہ کو قبول کرنے والا دائرۂ اسلام میں داخل ہے، اور تمام اخلاقی احکام اور مدنی قوانین اسی کے لئے ہیں۔ اور جو اس مطالبہ کو رد کر دے وہ دائرۂ اسلام سے خارج ہے، اس سے نہ کوئی اخلاقی حکم متعلق ہوتا ہے اور نہ کوئی مدنی قانون۔

۳۔ اسلام کے نزدیک ایمان ہی عمل کی جڑ ہے۔ صرف وہی عمل اس کی نگاہ میں قدر و قیمت اور وزن رکھتا ہے جو ایمان کی بنیاد پر ہو۔ اور جہاں سرے سے یہ بنیاد ہی موجود نہ ہو وہاں تمام اعمال بے اصل اور بے وزن ہیں۔

ایک اعتراض ایمان کی یہ اہمیت بعض لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتی۔ وہ کہتے ہیں کہ چند عقائد و نظریات کا ماننا کوئی ایسی جوہریت نہیں رکھتا کہ اس کی بنیاد پر نوع انسانی کو دو گروہوں پر تقسیم کیا جائے، ہمارے نزدیک

اصل چیز اخلاق سیرت اور کردار ہے اور اسی پر اچھے اور بُرے، صحیح اور غلط کا امتیاز قائم ہے، جو شخص عمدہ اخلاق، پاک سیرت، نیک کردار رکھتا ہو وہ خواہ ان نظریات کو جنہیں اسلام نے ایمانیات قرار دیا ہے، تسلیم کرتا ہو یا نہ کرتا ہو، بہر حال ہم اس کو نیک کہیں گے متقین کے گروہ میں شمار کریں گے اور جس میں یہ صفات نہیں ہیں اس کے لئے ایمان اور کفر کا اعتقادی فرق بالکل بے اصل ہے۔ وہ خواہ کسی عقیدہ کا قائل ہو، ہم اس کو بُرا ہی کہیں گے۔ نیک اور متقی کبھی نہ کہیں گے۔ رہی یہ بات کہ اعمال کے وزن اور ان کی قدر و قیمت کا انحصار ایمان پر ہے، اور یہ کہ ایمان کے بغیر کوئی عمل صالح نہیں ہو سکتا، تو یہ محل نظر ہے، کسی دلیل عقلی کے بغیر یہ بات تسلیم نہیں کی جا سکتی کہ محض خدا یا رسول، یا کتاب یا قیامت کے متعلق اسلام سے مختلف عقیدہ رکھنے والے کے فضائل اخلاق اور اعمال حسنہ ضائع ہو جاتے ہیں؟ اگر اسلام کسی عقیدہ کو صحیح سمجھتا ہے تو وہ بلاشبہ اس کی تبلیغ کا حق رکھتا ہے، لوگوں کو اس کی طرف بلا سکتا ہے، اس پر ایمان لانے کی دعوت دے سکتا ہے مگر اعتقاد کے سوال کو اخلاق اور اعمال کے حدود پر وسیع کرنا۔ اور اخلاق کی فضیلت، سیرت کی پاکیزگی، اعمال کی بہتری کو ایمان پر منحصر کر دینا کہاں تک درست ہے؟

بظاہر یہ اعتراض اتنا وزنی ہے کہ بعض مسلمان بھی اس سے متاثر ہو کر اسلام کے اصول میں ترمیم کرنے پر آمادہ ہو گئے ہیں، مگر ایمان کی حقیقت اور سیرت و کردار سے اس کے تعلق کو سمجھ لینے کے بعد یہ اعتراض خود بخود دفع ہو جاتا ہے۔

اعتراض کی تحقیق سب سے پہلے یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیئے کہ افراد نوع بشری کے درمیان خوب و زشت کا امتیاز دراصل دو جداگانہ بنیادوں پر قائم ہے۔ ایک پیدائشی سرشت جس کا حسن و قبح انسان کے اپنے اختیار میں نہیں ہے۔ دوسرے اکتساب جس کا نیک یا بد ہونا عقل و فکر اور اختیار و ارادہ کے صحیح یا غلط استعمال پر منحصر ہوتا ہے۔ یہ دونوں امور انسانی زندگی میں اپنی تاثیرات کے لحاظ سے باہم اس قدر خلط ملط ہیں کہ ہم ان کو اور ان کی تاثیرات کے حدود کو ایک دوسرے سے ممتاز نہیں کر سکتے۔ مگر نظری حیثیت سے

آنا ضرور جانتے ہیں کہ انسان کی حیات فکر و عمل میں حسن و قبح کی یہ دونوں بنیادیں الگ الگ موجود ہیں جو حسن و قبح سرشت کی بنیاد پر ہے وہ اپنی اصل کے لحاظ سے میزان عدل میں کسی وزن کا مستحق نہیں ہو سکتا۔ وزن صرف اس حسن و قبح کو حاصل ہونا چاہئے جو اکتساب کی بنیاد پر ہے[1] تعلیم، تلقین، تہذیب کے لئے جتنی کوششیں کی جاتی ہیں ان سب کا تعلق پہلی بنیاد (یعنی پیدائشی سرشت) سے نہیں ہے، کیونکہ اس کے حسن کو قبح سے یا قبح کو حسن سے بدلنا غیر ممکن ہے، بلکہ ان کا تعلق دوسری بنیاد (اکتساب) سے ہے جس کی رہنمائی صحیح تعلیم اور صحیح تربیت کے ذریعہ سے حسن کی جانب، اور غلط تعلیم اور غلط تربیت کے ذریعہ سے قبح کی جانب کی جاسکتی ہے۔

اس اصل کے لحاظ سے جو شخص انسان کی اکتسابی قوتوں کو حسن کی طرف پھیرنا اور اسی راہ میں ترقی دینا چاہتا ہو اس کے لئے صحیح طریق کار کیا ہو سکتا ہے؟ یہی کہ انسان کو علم صحیح بخشے، اور اسی علم کی روشنی میں اس کے لئے ایک ایسا نظام تربیت وضع کرے جو اس کے اخلاق، سیرت، اور کردار کو، جہاں تک اس کا تعلق اکتساب سے ہے نہ کہ سرشت سے، ایک بہتر سانچے میں ڈھال سکتا ہو۔ اس باب میں علم کا تربیت پر مقدم ہونا لازمی ہے، اور کوئی صاحب عقل و دانش اس تقدم سے انکار نہیں کر سکتا۔ اس لئے کہ علم ہی عمل کی بنیاد ہے۔ علم صحیح کے بغیر کسی عمل کا صحیح ہونا ممکن نہیں ہے۔

اب علم کو لیجئے۔ علم کی ایک قسم تو وہ ہے جس کا تعلق ہماری زندگی کے جزئیات سے ہے، جس کو ہم مدرسوں میں پڑھتے پڑھاتے ہیں، اور جو بے شمار علوم و فنون پر مشتمل ہے۔ دوسری قسم وہ ہے جو علم کلی، اور قرآن کی اصطلاح میں "العلم" کے نام سے موسوم ہے جس کا تعلق ہمارے معاملات سے نہیں بلکہ

[1] ٹھیک یہی بات ہے جو قرآن مجید میں بیان کی گئی ہے۔ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ (۲: ۴۰) یعنی اللہ کسی نفس کو اس کی قدرت سے زیادہ کسی شئے کا مکلف نہیں قرار دیتا۔ اس نے جو کچھ کسب کیا ہے اسی کا فائدہ اس کو ملیگا۔ اور اس نے جو کچھ اکتساب کیا ہے اسی کی ذمہ داری اس پر ہوگی۔ رہی پیدائشی سرشت تو اللہ نے جس کو جیسی چاہی سرشت بخشی۔ هُوَ الَّذِي يُصَوِّرُكُمْ فِي الْاَرْحَامِ كَيْفَ يَشَاءُ (۳: ۱) اور انسان کی زندگی میں اس کی سرشت اور اس کے اکتساب کا جتنا جتنا حصہ ہے۔ اس کو خدا خوب جانتا ہے کہ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ۔

"ہم" سے ہے۔ جو اس سے بحث کرتا ہے کہ ہم کیا ہیں؟ یہ دنیا جس میں ہم رہتے سہتے ہیں اس میں ہماری حیثیت کیا ہے؟ ہم کو اور اس دنیا کو کس نے بنایا ہے؟ اس بنانے والے سے ہمارا کیا تعلق ہے؟ ہمارے لئے زندگی بسر کرنے کا صحیح طریقہ (ہدیٰ اور صراط مستقیم) کیا ہے اور وہ ہمیں کیونکر معلوم ہو؟ ہمارے سرگرمیات کی منزلِ مقصود کونسی ہے؟ علم کی ان دونوں قسموں میں سے یہی دوسری قسم اصل اور بنیاد کا حکم رکھتی ہے ہمارے تمام جزئی علوم اسی کی فرع ہیں، اور اسی علم کے صحیح یا غلط ہونے پر ہمارے تمام تخیلات اور معاملات کی صحت یا غلطی کا دارومدار ہے۔ پس انسان کی تربیت و تہذیب کے لئے جو نظام بھی وضع کیا جائیگا اس کی بنیاد اسی علم کلی پر قائم ہوگی اگر علم کلی صحیح ہوگا تو تہذیب و تربیت کا نظام بھی صحیح ہوگا اور اگر اس علم میں کوئی خرابی ہوگی تو لازماً اس خرابی سے تہذیب و تربیت کا نظام بھی خراب ہو جائے گا۔

قرآن مجید میں خدا، ملائکہ، کتب، رسل، اور یوم آخر کے متعلق جو معتقدات پیش کئے گئے ہیں وہ اسی علم کلی سے متعلق ہیں، اور ان پر ایمان لانیکا مطالبہ اس قدر شدت سے اسی لئے کیا گیا ہے کہ اسلام کا نظام تہذیب و تربیت اسی علم پر مبنی ہے۔ اسلام کے نزدیک انسان کی اکتسابی قوتوں کی تربیت اور تہذیب کا وہی نظام صحیح ہے جو صحیح علم کلی پر قائم ہو۔ کسی علم کلی کے بغیر جو نظام قائم کئے گئے ہیں، یا جن کی بنیادیں صحیح علم پر نہیں رکھی گئی ہیں وہ اصلاً غلط ہیں، ان کے تحت انسان کی اکتسابی قوتیں غلط راستوں پر ڈال دی گئی ہیں اور ان راستوں میں انسان کی جو مساعی صرف ہوتی ہیں وہ بظاہر کتنی ہی صحیح معلوم ہوتی ہوں، مگر حقیقت کے اعتبار سے ان کا مصرف غلط ہے۔ ان کا رخ صحیح منزل مقصود کی جانب نہیں ہے، وہ کامیابی کے مقام تک نہیں پہنچ سکتیں، اس لئے وہ ضایع ہو جانے والی ہیں، اور ان کا کوئی فائدہ انسان کو حاصل نہیں ہو سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام صرف اپنے راستے کو "صراط مستقیم" کہتا ہے اور باقی تمام راستوں کو جو بلا علم یا غلط علم کی بنا پر اختیار کئے گئے ہیں چھوڑ دینے کا مطالبہ کرتا ہے۔ وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِیْلِهٖ (۶:۱۹)

اور اسی لئے اسلام کہتا ہے کہ جس کا ایمان صحیح نہیں ہے اس کے تمام اعمال بے نتیجہ ہیں اور وہ آخر کار نامراد رہنے والا ہے۔ وَمَنْ يَكْفُرْ بِالْإِيمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ (۵:۱)

اسلام نے جو ایمانیات پیش کئے ہیں وہی اس کے نزدیک عین علم، عین حق، عین صدق، عین ہدایت، اور عین نور ہیں، اور جب وہ ایسے ہیں تو لازماً ان کے خلاف جتنے معتقدات ہیں وہ عین جہل، عین باطل، عین کذب، عین ضلالت، اور عین ظلمت ہونے چاہئیں۔ اگر اسلام ان کو چھوڑ دینے کا مطالبہ اس قدر شدت کے ساتھ نہ کرتا، اور اگر وہ ان غلط معتقدات کے قائلین کو صحیح ایمان رکھنے والوں کے برابر درجہ دیتا تو گویا وہ اس امر کا اقرار کرتا کہ اس کے ایمانیات عین حق نہیں ہیں، اور اس کو ان کے صدق اور ہدایت اور نور ہونے کا خود ہی پورا یقین نہیں ہے۔ اس صورت میں اس کا ان ایمانیات کو پیش کرنا، اور ان کی بنا پر تربیت و تہذیب کا ایک نظام وضع کرنا، اور اس نظام میں شامل ہونے کے لئے لوگوں کو دعوت دینا، سب بے معنی ہوتا۔ اس لئے کہ اگر وہ یہ تسلیم کر لیتا کہ اس علم کلی کے خلاف دوسرے علوم بھی اسی کی طرح صحیح ہیں، یا سرے سے کسی علم کلی کے مفقود ہونے میں بھی کوئی مضایقہ نہیں ہے تو اس علم کلی کو پیش کرنے اور اس پر ایمان لانے کی دعوت دینے میں کوئی معنویت باقی نہ رہتی۔ اسی طرح اگر وہ یہ مان لیتا کہ اس علم کے خلاف دوسرے علوم کی بنا پر، یا کسی علم کلی کے بغیر تہذیب و تربیت کے جو نظام وضع کئے گئے ہیں، ان کے ذریعہ سے بھی انسان فلاح پا سکتا ہے تو پھر نظام اسلامی کے اتباع کی طرف دعوت دینے میں کوئی زور نہ ہوتا۔

علاوہ بریں اگر وہ بحث آپ کے ذہن میں تازہ ہے جو رجب کی اشاعت میں ایمان کی حقیقت پر کی گئی ہے، تو آپ سمجھ سکتے ہیں کہ اسلام نے ایمان پر اس قدر زور کیوں دیا ہے؟ تخیل کی دنیا میں رہنے والے ریت پر، پانی پر بلکہ ہوا پر بھی قصر تعمیر کر سکتے ہیں، مگر اسلام ایک حکیمانہ مذہب ہے وہ تہذیب و تربیت کی عمارت بودی بنیادوں پر تعمیر نہیں کر سکتا۔ وہ سب سے پہلے انسان کی روح اور اس کے قوائے فکری

کی گہرائیوں میں مضبوط بنیادیں قائم کرتا ہے پھر ان پر ایک ایسی عمارت بناتا ہے جو کسی کے ہلائے نہیں ہل سکتی وہ سب سے پہلے یہ بات انسان کے ذہن نشین کرتا ہے کہ تیرے اوپر ایک خدا ہے جو دنیا اور آخرت دونوں میں تیرا حاکم ہے۔ جس کی حکومت سے تو کسی طرح نہیں نکل سکتا، اور جس کے علم سے تیری کوئی بات چھپی ہوئی نہیں ہے اس نے تیری ہدایت کے لئے رسول بھیجا ہے، اور رسول کے ذریعہ سے تجھ کو وہ کتاب اور وہ شریعت بھیجی ہے جس کے اتباع سے تو اس حاکم حقیقی کی رضا حاصل کر سکتا ہے۔ اگر تو اس کے خلاف عمل کریگا تو خواہ تیری خلاف ورزی کیسی ہی ڈھنکی چھپی ہو، وہ حاکم ضرور تیری گرفت کریگا اور تجھے سزا دئے بغیر نہ رہے گا۔ یہ نقش انسان کے دل پر گہرا بٹھا دینے کے بعد وہ اخلاق حسنہ کی تعلیم دیتا ہے۔ امر و نہی کے احکام دیتا ہے، اور اسی نقش ایمانی کی قوت سے اپنی تعلیم کا اتباع اور اپنے احکام کی اطاعت کراتا ہے۔ یہ نقش جتنا گہرا ہوگا، اتباع اتنا ہی کامل ہوگا۔ اطاعت اتنی ہی مضبوط ہوگی، اور نظام تہذیب و تربیت اتنا ہی طاقت ور ہوگا۔ اور اگر یہ نقش کمزور ہو، یا سرے سے موجود ہی نہ ہو، یا اس کے بجائے کچھ دوسرے نقوش دل پر جمے ہوئے ہوں تو تعلیم اخلاق محض نقش بر آب ہوگی، امر و نہی کے احکام بالکل بے زور اور بودے ہوں گے، تہذیب و تربیت کا سارا نظام بچوں کا ایک گھروندا ہوگا، جس کے قیام و دوام کا کچھ اعتبار نہیں۔ ممکن ہے کہ وہ خوشنما ہو، وسیع ہو، بلند ہو، مگر اس میں استحکام کہاں؟ اس بات کو قرآن حکیم میں ایک مثال کے ذریعہ سے واضح کیا گیا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ كَيْفَ ضَرَبَ مَثَلًا	کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے کیسی مثال دی ہے؟ کلمہ طیبہ
كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا	(اعتقاد صحیح) گویا ایک اچھا درخت ہے جس کی جڑ خوب
ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا	جمی ہوئی ہے اور شاخیں آسمان تک بلند ہیں۔ وہ اپنے
كُلَّ حِيْنٍ بِاِذْنِ رَبِّهَا وَيَضْرِبُ اللّٰهُ	پروردگار کے اذن سے ہمہ وقت پھل لاتا رہتا ہے
الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝	اللہ لوگوں کے لئے مثالیں بیان فرماتا ہے تاکہ وہ سبق حاصل کریں۔

وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيثَةِ
اجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْأَرْضِ مَا لَهَا مِنْ
قَرَارٍ - يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ
الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ
وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِينَ وَيَفْعَلُ اللّٰهُ
مَا يَشَاءُ (۱۴ : ۴)-

اور کلمہ خبیثہ (اعتقاد باطل) کی مثال ایک خراب درخت کی سی ہے جو زمین کے اوپر سے اکھیڑ دیا جاتا ہے، کوئی جماؤ اور مضبوطی ہی نہیں رکھتا۔ اللہ ایمان لانے والوں کو ایک قول ثابت (پکے اعتقاد) کے ساتھ دنیا اور آخرت دونوں زندگیوں میں استحکام بخشتا ہے اور ظالموں کو یونہی بھٹکتا چھوڑ دیتا ہے۔ اور اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے

(باقی)